ڈاکٹر محمد آصف اعوان

اقبال کا تصورِ تخلیقِ آدم اور ارتقا: تحقیقی جائزہ

"The article"Iqbal's "concept of Adam's Creation and Evolution", expresses that according to Iqbal, Adam is not a name of some individual or historical character rather Adam is a collectve noun which stands for the whole human race. Secondly, traditional story regarding Adam's fall on earth has nothing to do with the fact, actually Adam has never been stranger to earth. There was a time when Adam was neither aware of his environment nor the miseries of environment but when he could attain adequate knowledge and wished for some occult knowledge, Allah Almighty put him in the environment which impressed upon him restrictions. The aim was not to stop Adam to attain knowledge rather to make him to attain knowledge by evolutionary process."

اقبال قرآن پاک میں مذکور قصہ آدم کی وضاحت بھی فلسفہء ارتقا کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس قصہ کا مقصد تاریخ نگاری ہے اور نہ آدم وحوا کسی تاریخی واقعہ میں مذکور دو الگ الگ کرداروں کے نام ہیں بلکہ داستان ہبوطِ آدم جملہ انسانوں پر چسپاں ہونے والی ایک تمثیلی حکایت ہے جس میں آدم کو کسی خاص فرد کی حیثیت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ وہ ایک تصور کی عکاسی اور پوری بنی نوع انسان کی نمائندگی کا علامتی حوالہ ہے۔ علی موسیٰ رضا اپنی کتاب "Lessons from the stories of the Quran" میں آدم کے لفظ کو پوری انسانیت کے لئے اصطلاحی حوالہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> "Adam and mankind are synonymous terms."[1]

اقبال کے ہاں آدم کا لفظ پوری انسانیت کی نمائندگی اور عکاسی کرنے والے لفظ کے طور پر کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ ، بدن کو بیدار (ض۔ک: ص۔۱۲۹)

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس وخود نگر (ا۔ح: ص۔۷)

پردۂ تہذیب میں غارت گری ، آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے ، میں روا رکھتا ہوں آج (ض۔ک: ص.۱۵۰)

تجھ سے بڑھ کر فطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار (ا۔ح: ص.۸۸)

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم (ض۔ک: ص.۵۸)

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم (ض۔ک: ص.۵۸)

آدم کو ثبات کی طلب ہے
دستورِ حیات کی طلب ہے (ض۔ک: ص.۱۸)

یہی آدم ہے سلطاں ، بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا (ض۔ک: ص.۸۸)

نہ خود بیں ، نے خدا بیں ، نے جہاں بیں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا (ض۔ک: ص.۸۸)

شیوۂ تہذیب نو آدم دری است
پردۂ آدم دری سوداگری است (پ۔چ: ص.۳۰)

ایں بنوک ، ایں فکر چالاک یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود (پ۔چ: ص.۳۰)

اقبال کی نظم ''سرگزشتِ آدم'' دراصل انسانیت کی تاریخ ہے۔ اقبال نے اس نظم میں انسانی تاریخ کے چند اہم مراحل کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے انسان کی فکری نشوونما اور ارتقا کا بھی پتا چلتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے (پ۔د: ص.۸۱)

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئنۂ عقلِ دوربیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

کیا اسیر شعاعوں کو ، برقِ مضطر کو
بنا دی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے (ب۔د: ص۸۲)

اقبال خطبات میں رقمطراز ہیں:

"The Quranic legend of the fall has nothing to do with the first appearance of man on this planet. Its purpose is rather to indicate man's rise from a primitive state of instinctive appetite to the conscious possession of a free self, capable of doubt and disobedience."[2]

گویا اقبال کے خیال میں قصہ آدم ارتقائیت کے اس مرحلے کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب انسان نے حیاتیاتی ارتقا کے تمام مراحل طے کر کے حریت فکر اور شعور و آگہی کی منزل میں قدم رکھا اور انائیت کی حامل ایک باشعور شخصیت کا روپ اختیار کر کے ''آدم'' ہونے کے اس بلند مقام کو حاصل کیا کہ جہاں خدا نے اسے زمین پر اپنا خلیفہ ہونے کا شرف عطا کیا۔ اقبال لکھتے ہیں:

"The word 'Adam' is retained and used more as a concept than as the name of a concrete human individual."3

اور پھر اقبال رقمطراز ہیں:

> " Indeed, in the verses which deal with the origin of man as a living being, the Quran uses the words 'Bashar' or 'Insan' not 'Adam' which it reserves for man in his capacity of God's vicegerent on earth."[4]

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان زمین پر آنے سے پہلے جنت میں تھا۔ وہاں اس نے ایک ایسے درخت سے پھل کھا لیا، جس کے قریب تک جانے سے حق تعالیٰ نے منع فرمایا تھا۔ چنانچہ اس نا فرمانی پر آدم کو جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا، لیکن اقبال اس روایتی طرز فکر سے متفق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم کبھی کسی ایسی جنت میں تھا ہی نہیں جو زمین سے ماوراء ہو کیونکہ آدم نے زمین پر ہی جنم لیا، یہیں اپنی حیاتیاتی نشوونما کے سارے مرحلے طے کئے۔ گویا زمین اور اس کا ماحول انسان کے لئے کبھی اجنبی نہ تھا، تاہم جہاں تک ہبوطِ آدم سے قبل جنت کا تعلق ہے تو اس جنت سے اقبال کی مراد قدیم انسان کی وہ حالت تھی جس میں انسان کو عملی طور پر اپنے ماحول کے ساتھ کوئی ربط نہ تھا۔ اقبال میلادِ آدم کے حوالے سے قصہء آدم میں مذکور شجرِ ممنوعہ، جنت اور ہبوطِ آدم کی تفسیر فلسفہء ارتقا کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اقبال کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کی رو سے جنت میں جس آدم کا ذکر ہوا ہے وہ ارتقائے حیات کے عمل میں اس مرحلے کے انسان کی علامت ہے جو ذہنی پختگی اور فکر و شعور کی بدولت آزادانہ عمل انتخاب سے اپنے لئے کوئی راہ منتخب کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔ خواجہ عبدالرشید اپنی کتاب "Eassy on Islam" میں رقمطراز ہیں:

> "Man's physical evolution stopped a very long time ago: infact, this happened even before man (Insan) grew to be called Adam! Adam, besides being the culmination of the physical development of man to its logical perfection had also acquired a receptive mind which could be instructed."[5]

اس اقتباس سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انسان ارتقائی عمل میں جب جسمانی پختگی حاصل کر چکنے کے بعد ذہنی بلوغت کے درجے کو پہنچ گیا تو اسے آدم ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ اب آدم اپنی مژگان کاوش سے راز دو عالم سے پردے اٹھانے کا عزم اور حوصلہ رکھتا تھا اور اس کا سینہ حسن کی ضیائے تابندہ اور عشق کی آتش سوزندہ سے روشن اور گرم تھا۔ پروفیسر محمد منور لکھتے ہیں کہ "وہ (اقبال) آدم کو معنوی اعتبار سے کوئی بنا بنایا یا بندھا بندھایا وجود نہیں جانتے کہ جس طرح بنا دیا گیا بن گیا، جس طرح باندھ دیا گیا، بندھ گیا، یوں کہ اس میں ارتقا و کمال کی کوئی اہلیت، ہمت اور عزیمت موجود نہیں" (۶) دراصل اقبال میلادِ آدم کو تسخیر فطرت کا نقطہء آغاز قرار دیتے ہیں اور اس کی عشق و مستی اور جذب و شوق سے بھرپور فطرت کے ساتھ ساتھ حیاتِ سوز و ساز کو پر جوش اور والہانہ انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد (پ۔م: ص ۸۵)

فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد (پ۔م: ص ۸۵)

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد (پ۔م: ص ۸۵)

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد (پ۔م: ص ۸۵)

آدم دراصل مرحلہ ہائے ارتقائے حیاتِ انسان میں وہ موڑ ہے کہ جب انسان میں آرزو اور خواہش کے ساتھ ساتھ تجربی علم کی تمنا اور اپنے ماحول کے ساتھ ربط و تعلق کی امنگ جنم لے چکی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے ماحول پر غالب آنے اور اسے تسخیر کرنے کے جذبے سے سرشار ہو کر باوجود خدا کے منع کرنے اور صریح تنبیہہ کے شجرِ ممنوعہ پر ہاتھ صاف کر ڈالے۔یہ شجرِ ممنوعہ کیا تھا؟ اقبال اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قصۂ آدم میں مذکور لفظ شجرہ کا مطلب درخت نہیں جیسے کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد پراسرار غیر حسی علم (Occult knowledge) ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس غیر حسی علم (جادو منتر وغیرہ) کے حصول سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ آدم کی بحیثیت شخصیت ذہنی صلاحیتیں ایسے علم کی متقضی تھیں جس میں باریک بینی، صبر اور محنت درکار ہو اور جو صرف بتدریج اور آہستہ آہستہ ہی حاصل ہو سکتا ہو۔ تاہم آدم کی نافرمانی اس کی سرشت میں بدی کی غماز نہیں بلکہ فطری طور پر جلد باز ہونے اور اس کی شخصیت کے سیمابی پہلو کی آئینہ دار ہے۔چنانچہ اقبال آدم کی اس نافرمانی کو معصیت یا بغاوت قرار نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک آدم کا یہ اقدام اس کے اندر احساسِ خودی کا ظہور ہے اور اقبال کے دل میں آدم کے ہاں اس تطہیرِ خودی کے آغاز و ارتقا کے باعث مسرت چٹکیاں لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب آدم کو اس بظاہر نافرمانی کی پاداش میں جنت سے نکال کر زمین کی طرف رخصت کیا گیا تو اقبال اس منظر کی تصویر کشی اپنی ایک نظم ''فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں'' میں یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں:

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی (پ۔ج: ص ۱۳۱)

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی (پ۔ج: ص ۱۳۱)

اور دوسری طرف زمین پر ''روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے'' اور دانش و بینش کے حامل اس پیکرِ خاکی کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے جذبۂ تسخیر سے یوں مخاطب ہوتی ہے:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ (پ۔ج: ص ۱۳۲)

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل اور گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ ، یہ صحرا ، یہ سمندر ، یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ (ب۔ج: ص ۱۳۲)

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ (ب۔ج ص۱۳۲/۱۳۳)

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ (ب۔ج: ص ۱۳۳)

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ (ب۔ج: ص ۱۳۳)

پروفیسر محمد منور اس نظم کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''حضرت علامہ نے اپنی نظم میں جس کا عنوان ہے''روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے''آدم کے بظاہر ہبوط اور بباطن صعود وعروج کا بڑی مسرت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ آدم کو معناً بلندی سے پستی کی طرف نہیں بلکہ بلندیوں سے مزید بلندیوں میں لے جا کے اتارا گیا ہے''۔(۷)

اقبال کہتے ہیں کہ انسان اپنے ابتدائی ارتقائی سفر کے دوران میں عقل وشعور کی نسبت خارجی ماحول سے زیادہ مغلوب تھا تاہم عقل وشعور کی ترقی نے انسان کو بتدریج خارجی ماحول کے تسلط سے آزاد کر کے حریتِ عمل کی جانب گامزن رکھا۔یہاں تک کہ حیاتیاتی ارتقا کے تمام مراحل سے گزر کر انسان نے فکری وشعوری ارتقا کی اُس منزل کو پا لیا جہاں سے انسان اور خارجی

ماحول کے درمیان حریفانہ کشاکش کا آغاز ہوا۔مرحلہءارتقا دراصل انسان کی ان پختہ فکری وشعوری صلاحیتوں کا آغاز تھا جن کی بدولت انسان نے ''عالم بے کاخ وکو'' کے بے کیف اور بے مزہ ماحول کو چھوڑ کر حریت ذہنی اور آزادیء عمل کے ساتھ۔

''سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو'' (ب۔ج: ص ۱۴۳)

سے بھرپور جہانِ رنگ وبو اپنے لئے منتخب کیا۔اقبال رقمطراز ہیں:

"Nor is there any reason to suppose that word 'Jannat' (Garden) as used here means the supersensual paradise from which man is supposed to have fallen on the earth. According to Quran, man is not a stranger on the earth, 'And we have caused you to grow from the earth, says the Quran."(8)

شعوری ارتقا میں آدم کی ایک ذہنی سطح وہ تھی کہ جہاں اسے نہ ماحول کے اپنے اوپر تغلب وتسلط کا احساس تھا اور نہ اسے جسمانی ضروریات اور احتیاجات محسوس ہوتی تھیں۔یوں خارجی ماحول سے مغلوب بے سدھ آدم بے ذوقِ خراش آرام وسکون کی جنت میں پڑا تھا۔قرآن قصہء آدم کے حوالے سے اِس جنت کا بیان اِن الفاظ میں کرتا ہے۔

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا۔پس ہم نے کہا، اے آدم! بیشک یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو تمہیں نکلوا نہ دے جنت سے۔پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لئے (جنت میں) یہ ہے کہ اِس میں نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔'' (القرآن، سورہ طٰہٰ آیت نمبر 116–119)

اقبال اِن آیاتِ قرآنی کے حوالے سے خطبات میں رقمطراز ہیں کہ اِس سے مراد وہ جنت نہیں جو موت کے بعد نیکوکار لوگوں کو نصیب ہوگی اور جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔قصہء آدم میں مذکور جنت سے مراد آدم کی وہ پرانی ذہنی وشعوری حالت تھی کہ جب وہ اپنے ماحول سے لاتعلق اور جسمانی احتیاجات سے بے خبر فطرت کی آغوش میں غافل پڑا تھا۔کسی قسم کا چیلنج، کوئی خطرہ یا آزمائش اسے درپیش نہ تھی، گویا یہ ذہنی حالت ایک جنت تھی، ایک نعمت تھی جسے آخر آدم خیرباد کہہ کر فکر وشعور کی ایسی دنیا میں در آیا جہاں ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی نئے رنگ روپ کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔گویا آدم کی خطر پسند طبیعت کو جنت کا وہ پرسکون ماحول راس نہ آیا اور وہ اس ذہنی سطح سے گزر کر شعور کے ایسے خارزار میں اتر آیا جہاں اگرچہ ہر دم خطرات درپیش تھے تاہم اِس ذہنی وشعوری ارتقا نے آدم کو ایک آزاد فکر ودانش کی حامل خودمختار شخصیت کا شرف عطا کر دیا۔اقبال خطبات میں لکھتے ہیں:

"The 'Jannat' mentioned in the legend can not mean the eternal abode of the righteous."(9)

اقبال قصہء آدم میں مذکور جنت کی وضاحت اور ہبوطِ آدم کی حقیقت اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"In the 'Jannat' mentioned in the legend, however, the very first event that took place was man's sin of disobedience followed by his expulsion. Infact, the Quran itself explains the meaning of the word as used in its own

narration. In the second episode of the legend, the garden is described as a place 'where there is neither hunger, nor thirst, neither heat nor nakedness.' I am, therefore, inclined to think that the "Jannat" in the Quranic narration is the conception of a primitive state in which man is practically unrelated to his environment and consequently does not feel the sting of human wants, the birth of which alone marks the beginning of human culture." (10)

درج بالا اقتباس میں اقبال نے آدم کی اس قدیم لوصیت حیات کا ذکر کیا ہے کہ جب آدم ایسی حالت میں زندگی کر رہا تھا کہ جس میں اسے نہ بھوک اور پیاس کا خیال تھا اور نہ گرمی و سردی کا احساس، یہاں تک کہ وہ اپنی ذات کے ننگ اور عریانی کے شعور سے بھی ناواقف تھا۔ ایسی حالت میں کہ جب انسان کو خود اپنی ذات اور اس کی احتیاجات تک کا احساس نہ ہو، اس کا خارجی دنیا سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ خارجی دنیا سے تعلق اپنی ذت کے حوالے سے ہوتا ہے۔ جب یہی حوالہ کمزور یا سرے سے موجود ہی نہ ہوتو خارجی مظاہر اور ان کی موجودگی بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک آدم کی حیات کا خارجی مظاہر سے بے تعلقی کے دور کا خاتمہ اس وقت ہوا کہ جب آدم کی حریت فکری ترقی کرتے ہوئے خلشِ آرزو سے ھمکنار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی اپنے ماحول سے غفلت اور خارجی دنیا کے چیلنجوں سے عافیت کا وہ دور جسے قرآن جنت کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، اختتام پذیر ہوا۔ آدم کے حق میں خلشِ آرزو کو محسوس کرنے کی منزل دراصل شعورِ خویشتن کی ترقی اور ارتقا کا وہ ثمر تھا جس کی بدولت آدم کا خارجی دنیا سے اور خارجی مظاہر کا آدم سے ربط و تعلق کا آغاز ہوا۔ تاریخِ ارتقائے حیاتِ انسانی کا یہ ایسا اہم موڑ تھا کہ جب انسان کا اپنی ذات اور اس سے باہر خارجی احوال سے معاملا اور واسطہ پڑا، اور یوں فرد اور اجتماع کے درمیان اس رشتے کا آغاز ہوا جسے عمرانیات کی اصطلاح میں کلچر کے لفظ سے ملقب کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

1. Ali Musa Raza Muhazir, "Lessons from the stories of the Quran" Sh.Muhammad Ashraf, Lahore : 1965, P.18.
2. Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious thought In Islam,Sh. Muhammad Ashraf, Lahore: 1962, P.85.
3. Ibid, P.83.
4. Ibid, P.83.
5. Abdul Rashid, Khawaja, "Essays on Islam," Din Muhammad Press, Karachi: 1960, P.22.

6۔ محمد منور، پروفیسر، ''علامہ اقبال کا تصور تقدیر'' مشمولہ متعلقاتِ خطباتِ اقبال'' اقبال اکادمی، لاہور: ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۷۔

7۔ محمد منور، پروفیسر، ''قرطاس اقبال'' اقبال اکادمی پاکستان، لاہور: ۱۹۹۸ء، ص ۲۰۹۔

8. Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious thought in Islam," P.84.

9. Ibid.

10. Ibid, P84, 85.

کتابیات

1. Ali Musa Raza Muhazir, "Lessons from the stories of the Quran" Sh.Muhammad Ashraf, Lahore : 1965۔
2. Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious thought In Islam, "Sh.Muhammad Ashraf, Lahore:1962.
3. Abdul Rashid, Khawaja, "Essays on Islam," Din Muhammad Press, Karachi: 1960.

4۔ محمد منور، پروفیسر، ''علامہ اقبال کا تصور تقدیر'' مشمولہ متعلقاتِ خطباتِ اقبال'' اقبال اکادمی، لاہور: ۱۹۷۷ء۔

5۔ محمد منور، پروفیسر، ''قرطاس اقبال'' اقبال اکادمی پاکستان، لاہور: ۱۹۹۸ء۔